بسم اللہ الرحمن الرحیم

دار الحدیث رحمانیہ دہلی مرحوم

مشاہدات اور تاثرات

قسط ۴

یہ مضمون بہت طویل انتہائی دلچسپ، عبرت خیز اور معلومات سے بھرپور ہے۔ یہ کئی قسطوں میں شائع ہو سکے گا۔ انشاءاللہ۔

اس مضمون کے عنوانات درج ذیل ہیں۔

۱۔ دار الحدیث رحمانیہ کی تاسیس کا پس منظر اور اس کے اغراض و مقاصد۔

۲۔ دار الحدیث کی خصوصیات اور اس کے نصاب تعلیم کا تفصیلی تعارف۔

۳۔ مدرسین حضرات کا تعارف اور ان کی سیرت و کردار کا مختصر خاکہ۔

۴۔ اہل علم زائرین کرام کا تعارف اور ان کے افکار و آراء اور تقاریر کے اہم نکات کا خلاصہ۔

۵۔ دار الحدیث رحمانیہ سے فارغ ہونیوالے اہل علم کا تعارف اور ان کی کاوشوں کا مختصر خاکہ۔

۶۔ طلباء کی غیر نصابی سرگرمیاں اور مہتمم صاحب کی دلچسپی۔

۷۔ مہتمم دار الحدیث رحمانیہ کے اخلاق و کردار کا ایک خاکہ اور ان کی انتظامی صلاحیت۔

۸۔ دار الحدیث رحمانیہ کا انتظام، نظام امتحان اور ممتحن حضرات کا تعارف۔

۹۔ دار الحدیث رحمانیہ میں طلبہ کے قیام و طعام اور دوسری سہولیات کی تفصیل۔

۱۰۔ ہم سبق ساتھیوں کا مختصر تعارف۔

۱۱۔ متفرق امور۔

عبد الغفار حسن

مولانا ثناء اللہ امرتسری فاتح قادیان

دارالحدیث رحمانیہ میں عام طور پر ہر سال شاندار سالانہ جلسہ ہوتا تھا۔ جس میں اکابر علمائے توحید و سنت بلائے جاتے تھے۔ ان مشاہیر میں سے مولانا ثناء اللہ صاحب سرفہرست تھے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم کے چند دلچسپ سبق آموز واقعات درج ذیل ہیں۔

۱۔ مدرسہ رحمانیہ میں سالانہ جلسہ کے موقع پر طلبہ نے درس گاہ کے حال میں رنگ برنگی جھنڈیاں لگا دی تھیں۔ جلسے کے موقع پر جب کہ مولوی ثناء اللہ صاحب صدارت فرما رہے تھے۔ ایک سخت قسم کے اہلحدیث نے سوال کیا اس کا تعلق بظاہر غرباء اہلحدیث سے تھا۔ اس نے اعتراض کیا یہ جھنڈیاں لگانا کیا اسراف میں شامل نہیں ہے۔ سجاوٹ کا یہ انداز سنت کے خلاف ہے۔ مولانا ثناء اللہ مرحوم نے مسکراتے ہوئے اپنی کشمیری شال کی طرف اشارہ کیا جس کے کنارے پر پھول بنے ہوئے تھے۔ مولانا نے کہا کیا یہ جو شال میں پھول بنے ہوئے ہیں جائز ہیں یا ناجائز جس پر وہ خاموش ہو گیا۔ واضح رہے کہ غربا اہلحدیث میں جو شدت اور پیوست پہلے پائی جاتی تھی اس میں اب کمی آ گئی ہے۔

۱۹۳۱ء کا واقعہ ہے سالانہ جلسہ ہو رہا تھا مشاہیر علمائے اہلحدیث تشریف لائے ہوئے تھے۔ مولانا ثناء اللہ بھی حسب معمول اس جلسے میں شرکت کر رہے تھے۔ انہیں دنوں مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ فتح پوری مسجد کے جنوب مشرقی کونے پر جیون ہال میں ہو رہا تھا۔ اس جلسے کی صدارت مشہور قادیانی سر ظفر اللہ خاں کرنے والا تھا اس کے نام کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ دارالحدیث رحمانیہ کے فارغ التحصیل حافظ

ابراہیم مرحوم اس وقت مجلس احرار اسلام کے ممتاز رہنما تھے۔ ان . . . نے تہیہ کیا ہوا تھا کہ سر ظفر اللہ خاں کی صدارت ناکام بنا دی جائے گی۔ اگر اس صدر کو نہ بدلا گیا تو یہ جلسہ نہیں ہو سکے گا۔ مسلمانوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ پوری مسجد فتح پوری اور آس پاس کے بازار سب کھچا کھچ لوگوں سے بھرے ہوئے تھے۔ اور دینی جوش کا یہ عالم تھا کہ لوگ اعلانیہ کہہ رہے تھے کہ سر ظفر اللہ جیون ہال میں داخل نہیں ہو سکے گا اگر وہ آیا تو اسے ہماری لاشوں پر گزرنا ہوگا۔ احراری کارکن اور دو . . . سرے مسلمان نوجوان کالی جھنڈیاں لیکر دھلی اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ یہ صورتحال دیکھ کر جلسے کے منتظمین نے سر ظفر اللہ کو نئی دھلی کے اسٹیشن پر اتار لیا اور وہیں کسی کوٹھی میں خفیہ طور پر جلسہ کرنے کی کوشش کی احراری کارکنوں نے اس کوٹھی کا بھی گھیراؤ کر لیا۔ اس موقع پر حافظ ابراہیم رحمانیہ تشریف لائے۔ دو بجے کا وقت تھا رحمانیہ میں جلسہ ہو رہا تھا لیکن مولانا استراحت کیلئے ابھی اپنے کمرے میں تھے۔ حافظ ابراہیم مرحوم نے سارا قصہ سنایا اور ان سے گ . . . کی کہ اس موقع پر فاتح قادیان کا جیون ہال میں پہنچنا بڑا ہی اثر انگیز ہوگا۔ لیکن سوال یہ تھا کہ اگر ذرا سی بھی بھنک پڑ گئی تو رحمانیہ کا جلسہ اکھڑ جائے گا۔ اور یہاں کے سب وہاں پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ اس بناء پر حافظ ابراہیم مرحوم مولانا کو مدرسے کے عقبی دروازے سے باہر لے گئے اور کار میں بٹھا کر مسجد فتح پوری پہنچ گئے۔ مولانا موصوف جب مسجد فتح پوری کے شمالی دروازے پر پہنچ گئے تو لوگوں نے مولانا کو کندھوں پر اٹھا لیا۔ اور پھولوں کے ہاروں سے ان کا چہرہ بھی کم نظر آتا تھا اور مولانا موصوف اس طرح کندھوں پر سواری کرتے ہوئے شمالی دروازے سے جنوبی

دروازے پر پہنچے پھر وہاں سے جنوبی ہال کی سیڑھیاں طے کرتے ہوئے اندر داخل ہو گئے۔ جو سٹیج سر ظفر اللہ کیلئے تیار کیا گیا تھا اور جو کرسی صدارت اس کیلئے سجائی گئی تھی اس پر مولانا ثناء اللہ صاحب فاتح قادیاں جلوہ گر ہو گئے۔ مولانا مرحوم نے منبر پر کھڑے ہو کر لمبی چوڑی تقریر کی۔ اور مرزا کے لطائف سناتے ہوئے جلسہ لوٹ لیا۔ مجمع کا یہ حال تھا کہ بار بار اللہ اکبر کے نعرے لگ رہے تھے اور فاتح قادیان زندہ باد اور شیر پنجاب زندہ باد کے نعروں سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ اور ساتھ ہی سر ظفر اللہ مردہ باد قادیانیت مردہ باد کے نعروں نے عجیب سماں باندھ دیا تھا۔ بہرحال یہ جیون ہال کا جلسہ مولانا کی تشریف آوری سے اور ان کے خطاب سے بہت کامیاب رہا اور ساتھ ہی رحمانیہ کا جلسہ بھی ہوتا رہا وہاں کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ بعد میں لوگ پچھتائے کہ افسوس کہ ہم اس جلسے میں نہ پہنچ سکے۔ ہمیں خبر نہ ہوئی۔ یہاں یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہ ہو گی۔ شیخ عطاء الرحمان کا روحانی فرزند بھی رحمانیہ کے فارغ التحصیل حافظ ابراہیم اس جلسے کو ناکام بنا رہے تھے۔ جو جلسہ مسلم لیگ کے نام سے ایک قادیانی کی صدارت میں ہونے والا تھا اور دوسرے طرف شیخ عطاء الرحمن کے جسمانی و صلبی فرزند حبیب الرحمن دہلی مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل تھے۔ ان کی پوری کوشش تھی کہ جلسہ کامیاب ہو۔ اس موقع پر مسلم لیگ کے بعض سرکردہ حامیوں نے غیظ و غضب کی حالت میں یہ اظہار کیا کہ بھئی سیاست کو مذہب سے کیوں گڈمڈ کرتے ہو یہ تو ایک سیاسی جلسہ ہے کوئی صدر بن جائے۔ اعتراض کی کیا بات ہے؟ یہ ایک قسم کی ملائیت ہے۔ جو بڑی خطرناک ہے۔ یہی غیر اسلامی مزاج اس میں پوشیدہ ہے۔

اسلام ہمارا دین ہے۔ شوسلزم ہماری معیشت ہے اور جمہوریت ہماری سیاست ہے۔ سچ کیا ہے علامہ اقبال مرحوم نے کہا

جلال بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

یہی وہ ذہنیت ہے جس کی بناء پر پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ سر ظفر اللہ بن گیا۔ بہرحال ایک دور وہ آیا۔ جب کہ پاکستان میں قادیانیت کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا اور اب ہمارے ملک میں اس کا زور ٹوٹ گیا ہے شور ختم ہو گیا ہے۔ ہاں خفیہ طور پر سازشیں جاری ہیں۔

۳۔ مولانا ثناء اللہ کی تفسیر کے بارے میں مولانا حافظ عبداللہ صاحب روپڑی کو شدید اختلاف تھا۔ لیکن شیخ عطاء الرحمن کی کوشش سے مولانا ثناء اللہ مولانا حافظ عبداللہ صاحب دونوں یکجا ہو کر ہم پیالہ و ہم نوا ہو جایا کرتے تھے۔ اور کچھ نہ کچھ گفتگو کی نوبت بھی آجاتی تھی۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد مولانا مرحوم سے راقم الحروف کی کئی بار ملاقات ہوئی اور ایک مرتبہ ان کی صدارت میں مدرسہ انوار احمدیہ کے جلسہ میں تقریر کرنے کا بھی موقع ملا۔ مولانا نے بڑی مسرت کا اظہار کیا اور انہوں نے دعا کی کہ اللہ میرے پوتے رضاء اللہ کو بھی اچھا خطیب اور عالم باعمل بنائے۔

۴۔ ایک مرتبہ حسن اتفاق سے مولانا مرحوم اور مولانا ابراہیم سیالکوٹی مدرسہ رحمانیہ میں تشریف لائے۔ طلبہ نے ان کے اعزاز میں استقبالیہ دیا اور ایک جلسہ کا اہتمام کیا میرے ایک ہم سبق ساتھی محمد لقمان بنگالی نے عربی قصیدہ پڑھا جس میں ایک شعر کا ترجمہ یہ تھا کہ آج ہماری مادر علمی میں دو شیر تشریف لائے۔ یہ شعر سن کر

مولانا ثناء اللہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ھل الاسدان فی عرین واحد" کیا ایک بن میں دو شیر جمع ہو سکتے ہیں۔ بہر حال یہ اجتماع علمی و تربیتی لحاظ سے اچھا کامیاب رہا۔

۵۔ مولانا ثناء اللہ صاحب نے بہت سے مناظرے کئے بڑے بڑے جلسوں میں خطاب عام کیا۔ ان کی خصوصیت یہ تھی کہ شدید اشتعال انگیز موقع پر بافریق مخالف کی گستاخانہ گفتگو پر کبھی طیش میں نہیں آتے تھے بلکہ مسکراتے ہوئے مسکت جواب دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک قادیانی سے مناظرہ شروع ہونے والا تھا کہ فریق مخالف کی طرف سے مناظر نے کہا کہ آپ اسلام کے وکیل بن کر آئے ہیں۔ لیکن آپ کے خلاف تو بہت سے علماء نے کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ آپ کیسے مناظرہ کرنے آئے ہیں۔ مولانا ثناء اللہ صاحب نے مسکراتے ہوئے مسلمانوں سے دریافت کیا جو ایک بڑی تعداد میں تھے کہ مسلمانو یہ بتاؤ کافر مسلمان کس طرح ہوتا ہے لوگوں نے کہا کلمہ پڑھنے سے مولانا نے فوراً بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھا اور اپنے مخالف مناظر سے کہا آؤ اب میں مسلمان ہو گیا ہوں مناظرہ کر لو۔

۶۔ ۱۹۴۰ء کا واقعہ ہے جب کہ میں بنارس میں تھا معلوم ہوا کہ مولانا ثناء اللہ صاحب تشریف لا رہے ہیں جامعہ رحمانیہ بنارس کے اساتذہ اور طلبہ اور دوسرے حضرات استقبال کیلئے سٹیشن پر پہنچ گئے۔ جب خیبر میل آکر رکی تو مولانا مرحوم اپنے کمپارٹمنٹ سے باہر تشریف لائے تو لوگوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور مصافحہ کیلئے آگے بڑھنے لگے۔ لیکن مولانا نے فوراً سب کو ڈانٹ کر پیچھے ہٹا دیا۔ کہا کہ پہلے سامان اتارو۔ ظاہر ہے خیبر میل بہت کم ٹھہرتی ہے اگر مولانا لوگوں کے جوش عقیدت کا شکار ہو کر معانقہ اور مصافحہ میں مصروف ہو جاتے تو پھر سامان

اتارنے کی نوبت نہ آتی۔ اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ اس قسم کے موقع پر علماء اور قائدین حضرات کو بہت چوکنا رہنا چاہیئے۔ ورنہ مالی نقصان ہو سکتا ہے۔ میرے ساتھ اسی قسم کا واقعہ ۵۱ء تا ۵۲ء میں پیش آیا۔ جب کہ میں سیالکوٹ سے ایک تربیتی اجتماع میں شرکت کیلئے لاہور پہنچا میرے ساتھ کچھ سامان بھی تھا خاص

طور پر کچھ نادر کتابیں اور تحریروں کا مجموعہ میرے ساتھ چوہدری محمد اکرم صاحب کے بھائی محمد اشرف صاحب تھے۔ میں جیسے ہی تانگہ سے اترا احباب نے گھیر لیا۔ اور مصافحوں کا تانتا بندھ گیا جب اس ہجوم سے ہوش آیا تو تانگہ غائب تھا اور سامان کسی نے نہیں اتارا۔ جس کی وجہ سے بڑی ذہنی کوفت ہوئی۔ ان میں بعض کاپیاں ایسی بھی تھی جس میں تقریباً ۱۵، ۲۰ سال کی تاریخی یادداشتیں محفوظ تھی خلاصہ یہ ہے کہ اس قسم کے مواقع پر آنے والے حضرات اور استقبال کرنے والے کارکنوں کو بہت چوکنا رہنا چاہیئے۔

بنارس کا ایک مختصر سا واقعہ ہے کہ ایک بوڑھے بدعتی نے مولانا کو دور سے دیکھا اور اس نے بے ساختہ کہا یہ چہرہ تو بہت نورانی ہے۔ یا اس نے یہ کہا کہ نور ٹپک رہا ہے۔ آپ نے اپنے تاثرات اس طرح تحریر فرمائے۔ ۸ رجب ۱۳۵۱ھ۔ ۸ نومبر ۱۹۳۲ء میں آج اتفاقیہ مدرسے میں گیا۔ طلبہ کی عربی اردو تقاریر سنیں امید افزا ہیں۔ خدا اس کے بانی و عربی کو جزائے خیر دے۔ اور اس کا صدقہ جاریہ قبول فرمائے۔ نیز ۱۷ شعبان ۵۰ھ ۲۸ دسمبر ۳۱ء اس موقع پر رحمانیہ کے رجسٹر میں تحریر فرمایا۔ مدرسہ رحمانیہ اہلحدیث کا مایہ ناز تعلیمی ادارہ ہے۔

مولانا داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ

غزنوی خاندان سے ہمارے پرانے تعلقات تھے جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے۔ غالباً ۲۵ء یا ۲۶ء کا واقعہ ہے کہ مولانا کی سب سے پہلے رحمانیہ کی کھلی چھت پر جلسہ عام میں حالات حجاز پر جوشیلی تقریر سنی۔ ان کی تقریر میں جوش بھی تھا۔ لیکن ہوش کے ساتھ۔ شیر کی طرح گرجتے تھے اور مخالفین پر موثر انداز میں برستے تھے۔ اس موقع پر ان کے عم زاد بھائی مولانا اسماعیل غزنوی صاحب کی تقریر بھی سنی۔ ان کا انداز بھی نرالہ تھا مولانا اسماعیل صاحب کی تقریر میں خطابت کا جوش زیادہ تھا۔ لیکن مولانا داؤد غزنوی مرحوم کی تقریر میں جوش خطابت کے ساتھ ساتھ علم و علم کی چاشنی بھی تھی۔ مدرسہ رحمانیہ میں ان کی تشریف آوری بہت ہی کم ہوئی۔ بہرحال جب بھی تشریف لائے۔ ان کے علم و فضل سے اساتذہ اور طلبہ نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ مولانا موصوف ۳۱ دسمبر ۲۵ء میں رحمانیہ میں تشریف لائے۔ مدرسے کی عمارت وغیرہ کی تعریف و توصیف کے بعد تبصرہ کرتے ہوئے رحمانیہ کے رجسٹر پر اپنے تاثرات ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں طلبہ کو مناظرہ کرتے ہوئے میں نے دیکھا اس سے اثر یہ ہوا کہ مدرسین اور بالخصوص صدر مدرسہ ضروریات زمانہ سے باخبر ہیں۔ اور ان کی بہترین خواہش یہ ہے کہ اس مدرسے کے طلبہ فن تقریر اور مکالمہ و مباحثہ سے باخبر و واقف ہوں۔ اگر اس طرح مساعی جاری رکھیں تو اس مدرسے کا مستقبل نہایت عمدہ ہوگا۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب غزنوی

سابق نائب صدر مجلس خلافت پنجاب

مولانا موصوف ۳۱ دسمبر ۲۵ء کو رحمانیہ میں تشریف لائے اور اپنے حسب ذیل تاثرات قلمبند فرمائے۔ میں ہمیشہ اس فکر میں رہا کرتا تھا کہ جدید طریق پر کتب عربی کا مدرسہ قائم کیا جائے۔ الحمدللہ یہ ضرورت دارالحدیث رحمانیہ نے پوری کر دی۔

ایسا یاد پڑتا ہے کہ ۳۲ء میں مولانا اسماعیل غزنوی صاحب دوبارہ پھر تشریف لائے۔ اس موقعہ پر ان کے ہمراہ جناب غلام رسول مہر بھی تھے۔ ایک مختصر مجلس میں شیخ عطاء الرحمن مہتمم مدرسہ نے مجھے حکم دیا کہ میں ان کے سامنے عربی میں تقریر کروں چنانچہ میں نے حجت حدیث پر عربی میں تقریر کی۔ دونوں حضرات کا تاثر اچھا تھا۔ واللہ اعلم

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی

شعبان ۱۳۵۰ھ میں سالانہ جلسہ کے موقع پر رحمانیہ تشریف لائے۔ مولانا کا تاثر مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ "۱۵ شعبان میں عاجز بھی جلسے میں شریک ہوا مدرسے کے انتظامات داخلیہ کو درست پایا۔

مولانا ابراہیم سیالکوٹی صاحب کا رحمانیہ سے پرانا تعلق ہے۔ بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ مولانا عبدا[illegible]حیم آبادی [illegible]م نے رحمانیہ کا تخیل پیش کیا اور مولانا سیالکوٹی مرحوم نے اس تخیل کو عملی شکل دے دی۔ مولانا موصوف رحمانیہ

کے ابتدائی دور میں مدرسے میں قیام پذیر رہے اور درس و تدریس کی نگرانی فرمائی۔
اور اپنے تفسیری نکات سے طلبہ کو مستفید فرمایا۔ جو لوگ مولانا سیالکوٹی اور مولانا ثناء اللہ کے مزاج شناس ہیں ان کی زبان سے سنا ہے کہ مولانا ثناء اللہ کی شان جمال ہے۔ اور مولانا ابراہیم سیالکوٹی صاحب کی شان جلالی ہے۔ ان دونوں کی شرکت سے جلسوں میں عجیب جلال و جمال کا ایک حسین امتزاج ہو جاتا تھا۔ علماء کے برعکس مولانا سیالکوٹی وقت کے بڑے پابند تھے اور وعدہ پورا کرنے میں بڑا اہتمام کرتے تھے۔ ۴۳ء کا واقعہ ہے کہ مولانا ابراہیم سیالکوٹی رحمانیہ میں تشریف لائے اور مجھے فرمایا دھلی میں ایک وکیل صاحب ہیں۔ جو تفسیر بیضاوی پڑھنا چاہتے ہیں۔ آپ اس کیلئے وقت نکالیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنے قیام دھلی کے دوران ان سے آپ کا تعارف اور ملاقات کرادوں۔ آپ کل ٹھیک چار بجے شام کو قطب روڈ کے پل پر پہنچ جائیں میں آپ کا وہاں انتظار کروں گا۔ میں ٹرام کے ذریعے قطب روڈ کے پل پر پہنچا تو وقت مقررہ سے پانچ منٹ کی تاخیر ہو چکی تھی۔ لیکن میں نے دیکھا کہ مولانا موصوف میرے انتظار میں مقرر جگہ پر تشریف فرما تھے اس ذرا سی تاخیر پر برہمی کا اظہار نہیں فرمایا۔ جس سے میری جان میں جان آئی۔ مولانا محترم جب بھی ملتے بڑی شفقت سے پیش آتے۔ وہ عام جلسوں میں تقریر کرتے ہوئے جب ماضی قریب کے علمائے حدیث کا ذکر فرماتے تو مولانا عبدالجبار غزنوی کے ساتھ ساتھ میرے جد محترم مولانا عبدالجبار عمر پوری کا بھی تذکرہ کرتے۔ اس موقعہ پر ان کا انداز بیان ایسا رقعت انگیز ہوتا کہ لوگوں کی آنکھیں اشک بار ہو جاتیں۔ خاص طور پر جب وہ عبدالرحیم رحیم آبادی اور مولانا عبدالمنان وزیر آبادی کا تذکرہ

فرماتے۔ تو ان کی آواز بھرا جاتی تھی۔ مولانا کی تفسیر واضح البیان فی تفسیر ام القرآن کا میں نے بار بار مطالعہ کیا ہے۔ قرآن معلومات کا بہت بڑا خزانہ اس میں پایا جاتا ہے۔ اس طرح ان کی تفسیر سورۃ کہف بھی میں نے پڑھی ہے۔ یہ تصنیف بھی علمی نکات سے بھرپور ہیں۔ لیکن کہیں کہیں تصوف کی چاشنی بھی موجود ہے۔ مولانا کا اعلان تھا کہ وہ سورۃ بقرہ کی تفسیر بھی لکھیں جس کا انہوں نے نام رکھا تھا۔ تحفہ البراۃ فی تفسیر البقرۃ میرا اندازہ ہے کہ یہ تصنیف طبع نہ ہو سکی۔ ورنہ بہت سی علمی نکات سامنے آتے۔ مولانا موصوف تفسیر کبیر مولفہ امام رازی اور تفسیر عزیزی مصنفہ مولانا عبدالعزیز دھلوی کے بڑے مداح تھے اور اپنی تفسیری تصانیف میں ان دونوں سے خوب استفادہ کیا ہے۔ لیکن اس بات کی صراحت کے ساتھ یہ تفسیری نکات میں نے کہاں سے لیے ہیں جو کچھ بھی تحریر فرماتے اس کا حوالہ دیتے۔ یہ عجیب ہے اس کے برعکس مولانا ابوالکلام آزاد تفسیر کبیر کے مداح نہیں تھے۔ بلکہ ان کی طرف یہ قول منسوب کیا جاتا ہے کہ تفسیر کبیر میں سب کچھ ہے لیکن تفسیر قرآن نہیں ہے۔ بہرحال اپنا اپنا ذوق ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی علمی کاوشوں کو قبول فرمائے۔ اور لغزشوں سے درگذر فرمائے۔ آمین۔

مولانا عبد القادر قصوری

سابق صدر خلافت پنجاب و نائب صدر مجلس مرکزیہ ہند

مولانا موصوف ۱۷ محرم ۱۳۴۴ھ کو رحمانیہ میں تشریف لائے۔ آپ نے اپنے تاثرات رحمانیہ کے بارے میں حسب ذیل عبارت کی صورت میں تحریر

فرمائے۔

"میں نے آج اس درسگاہ کا معائنہ کیا۔ بحمد للہ مدرسہ ہذا تمام انتظامات مکان رہائش اور خورد و نوش کے لحاظ سے نہایت اعلیٰ پیمانے پر ہے۔ طلبہ نے میرے سامنے تقاریر کیں اور ادیان غیر اسلامی کے مقابلے میں دین اسلام کی صداقت کو عقلاً و نقلاً ثابت کیا یقیناً طلبہ میں ملکہ تحریر و تقرر و تبلیغ کی مدد کرنے کی سعی نہایت قابل تحسین ہے۔

مولانا موصوف میرے رحمانیہ میں داخل ہونے سے پہلے تشریف لائے تھے۔ اس لئے ان کے بارے میں کوئی تفصیل معلوم نہیں ہو سکی۔

مولانا سید عبداللہ صاحب خلف الرشید مولانا محمد عبداللہ صاحب غزنوی

منشی فاضل مولوی فاضل ممتحن السنتہ الشرقیہ پنجاب و صوبہ سرحد۔

وہ تحریر فرماتے ہیں، آج پندرہ سال کے بعد مجھے دہلی آنے کا اتفاق ہوا سب سے بہتر و زیادہ خوشکن مسرت افزا و ایمان تازہ کن بات تو یہاں میں نے دیکھی۔ وہ مدرسہ رحمانیہ کی رونق ہے۔ نہ صرف رونق بلکہ بلڈنگ عمارت مدرسہ نہایت شاندار صحت افزاء و فراخ کمرہ جات طلبہ میں باقاعدگی و حاضری وغیرہ تمام امور نہایت عمدہ اور موزوں و قابل تعریف ہیں۔ مدرس اعلیٰ و نیز دیگر جماعت کے علماء و فضلا نیک سیرت دیکھنے میں آئے۔

تاریخ آمد ۲۵ دسمبر ۳۰ء

مولانا کے بارے میں مزید تفصیل نہیں معلوم ہو سکی۔

مولانا ابو القاسم محمد صاحب بنارسی

مولانا موصوف ۲۹ دسمبر ۳۱ء رحمانیہ میں تشریف لائے۔ رحمانیہ کے بارے میں آپ کے تاثرات یہ ہیں۔ مدرسہ رحمانیہ کے دسویں سالانہ جلسے میں میں نے بھی شرکت کی۔ مجھے مدرسے کی عمارت اور اس کے انتظامیہ دیکھ کر بے انتہا مسرت ہوئی۔ اور میں اس بات کے کہنے میں مطلقا مبالغہ نہیں سمجھتا کہ سارے ہندوستان میں اہلحدیث کا قابل فخر بھی ایک مدرسہ ہے۔ جسے صحیح معنوں میں مدرسہ کہنا چاہیئے۔ نتیجہ امتحان مجموعی طور پر بہت اچھا رہا۔ خدا اس مدرسے کو تا ابد قائم رکھے۔

مولانا ابو القاسم بنارسی کو کئی بار میں نے مختلف جلسوں میں دیکھا ان سے ملاقاتیں کیں۔ اور ان کی علمی تقریریں سنیں۔ اور جامعہ رحمانیہ بنارس میں تدریس کے دوران سات سال کے عرصے میں یعنی ۳۶ء سے ۴۲ء تک بارہا ان سے علمی استفادے کا موقع ملا۔ ان کے بارے میں تفصیلی تذکرہ جامعہ رحمانیہ بنارسی کے بارے میں تاثرات کے سلسلے میں بیان ہوگا۔ انشاء اللہ

مولانا عبد العزیز میمن پروفیسر جامعہ علیگڑھ و رکن ادارہ علمیہ عربیہ دمشق

بتاریخ ۶ رجب ۵۱ھ۔ ۶ نومبر ۱۹۳۲ء دار الحدیث رحمانیہ یں تشریف

لائے انہوں نے عربی میں اپنے تاثرات تحریر فرمائے۔ ان کی فصیح و بلیغ عربی کا نمونہ ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔

کنت اسمع بالمدرسة الرحمانيه منذبنا بيتها ولكن لم تسمح لى الظروف بزيارتها و قمت لها باستاره صديقى و بلدى الاستاذ الحميد محمد الجونا كرہى فاذا بالدستا تذة والطلبة قدا حقفلو ابى وقرطوا مسامعى بخاطا باتم المترجلته وخطبهم بالعربيه والاردية والنجابية والبنكالية كمال قال ابو الطيب تجمع فيه كل لسن وامة فما تفهم الحداث الاالتواجم فسونى كل مارائت وما سمعت من دين وادب و معرفة وزراد غطابتى ان بربوع الهند مدارس تربى انشاه و تعنى بجالهم و بندى بجهودها كهذا وانى كنت اسمعها كثيرا الا ان روى العين تداربت على كل وحف و جلت عن كل بيان كما قال الشاعر

كانت مسائلة الركبان تجزنى
عن احمد بن داوٗد الطيب الخبر
حتى التقينا فلا والله ماسمعت
اذنى يا حسن مما قدر رائى بصرى

وما هذا الدمن غيرة المسلم الغيور التاجرا الصدوق الامين عطاء الرحمن فانه جنى ثمرما غرسه فى هذه الحياة وذالک انه لانهمة له ولا غرض الا ان تراه محفوفا لمجاويح الطلبة كاب رحيم يقضى حاجتهم ويقتنى بما يصلح شوٗونهم فجزاه الله عن الاسلام خيرا فانه غريب فى هذا العصر بمثل هذه الديار

وکثیر اللہ من امثالہ و ھوولی ذالک

مولانا عبدالعزیز میمن کے ارشاد کا حاصل :-

میں دارالحدیث کا نام اس کی تعمیر کے وقت سے سن رہا تھا لیکن میری آنکھیں اس کی زیارت سے محروم رہیں اب مولوی محمد جونا گڑھی کے ایماء سے یہاں آیا اور میں نے دیکھا کہ تمام اساتذہ و طلبہ نے ایک جلسہ منعقد کیا جس میں طلبہ نے برجستہ عربی و اردو و بنگالی و پنجابی میں امید افزا تقریریں کیں۔ دین و عرفان و ادب کی تمام باتیں جو میں نے سنیں اور دیکھیں میرے لئے موجب مسرت ہوئیں اور میری خواہش کہ کاش ہندوستان میں اور بھی ایسے مدرسے ہوتے۔ جہاں طلبہ کیلئے خاطر خواہ انتظام کیا جاتا میں رحمانیہ کے متعلق بہت کچھ سنا کرتا تھا لیکن محاسن و محامد میں نے بچشم خود آ کر دیکھیں وہ کہیں بڑھ کر تھے۔ ان میں سے جو میں نے سنا یہ سب کچھ ایک دیانتدار امین تاجر کی غیرت کا نتیجہ ہے۔ جس نے اپنے پودے کو دنیا ہی میں پا لیا۔ آپ طلبہ کے تمام اخراجات کو پورا کرنے کیلئے ہر وقت کوشاں رہتے اور ان کی ہر تکلیف کے دور کرنے کیلئے شفیق باپ سے زیادہ سعی سے کام لیتے ہیں باوجود نہ آپ کی کوئی غرض ہے اور نہ کسی قسم کی حاجت خدا ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ ایسا شخص اس زمانے میں اور پھر اس شہر میں عنقائے صفت نہیں تو پھر اور کیا ہے۔ مولانا عبدالعزیز میمن مرحوم میرے جدِ امجد مولانا عبدالجبار عمر پوری کے شاگرد تھے۔ عربی ادب میں ان کی تحقیقات بہت ہی اور معلومات سے بھرپور ہیں۔ ان سے کئی مرتبہ لاہور اور کراچی میں ملاقات ہوئی ایک مرتبہ پنجاب یونیورسٹی کے ہال میں ان کی زیر صدارت تقریر کرنے کا موقع ملا۔ خوب اچھی لمبی عمر پائی لیکن افسوس ہے کہ ان کی اولاد میں کوئی ان کا جانشین نہیں

ہوسکا- ان کی بہت سی عربی تصانیف ہیں لیکن ان کی تفصیل کے لئے الگ الگ مقالے کی ضرورت ہے-

جمال الدین پاشا الغزی مندوب حکومت حجاز

۵۲ھ میں دارالحدیث رحمانیہ میں تشریف لائے- آپ کے سامنے طلبہ نے ارتجالاً عربی میں تقریریں کیں جن سے آپ بہت محفوظ ہوئے- دوسرے روز آپ کو مدرسے کی طرف سے ناشتے کی دعوت دی گئی- اس موقع پر آپ نے عربوں اور ترکوں کے باہمی روابط پر ایک پُرمغز اور نشاط پرور تقریر فرمائی اس مجلس میں بہت سے اکابر ملت شریک ہوئے- مثلاً مولانا محمد صاحب جوناگڑھی ڈاکٹر ذاکر حسین، وائس چانسلر جامعہ ملیہ دھلی شیخ التفسیر خواجہ عبدالحی صاحب فاروقی مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی- یہ مجلس بڑی پُرلطف اور شاندار رہی-

مولانا اعزاز علی صاحب استاذ الاداٰب دارالعلوم دیوبند

مولانا موصوف ۱۹ محرم ۱۳۵۲ھ کو رحمانیہ میں تشریف لائے انہوں نے عربی زبان میں مدرسے کے بارے میں اپنے تاثرات قلمبند کئے- ان کی تحریر حسب ذیل ہے-

انی قد دخلت هذه المدرسة المسماة باسم صاحبها الرحمانیہ ودعانی الیها اعزاحبائی عبدالغفور مسلمہ فتشرفت برویة هذه المدرستہ واساتذتها وتلامذتها ثم ان بعضاً منهم انشد اشعاراً رائعة بدیعةً بالعربیة والفارسیة الاردیة و خطبها احد

منهم وكان موضوعه على اردعلى الفرقة السماة بالقرآنية وكانت خطبه حسنة مفيدة وهادية الى مدارج الفضل والكمال اللهم اجعله هاديا مهديا۔

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ میں مولوی عبدالغفور صاحب مدرس دارالحدیث رحمانیہ کی دعوت پر مدرسے میں حاضر ہوا۔ یہ مولوی عبدالغفور صاحب میرے عزیز ترین احباب میں سے ہیں۔ یہاں آکر میں نے اساتذہ وطلبہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ طلبہ میں بعض نے فارسی عربی اور اردو میں نہایت فصیح و بلیغ قصائد سنائے۔ اور ان میں سے ایک نے کی تردید میں عربی میں پرمغز تقریر کی جو بہت مفید اور گم گشتہ راہ کیلئے دلیل ہدایت تھی۔ اللہ اسے ہدایت یافتہ بنائے۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی یہ دعا میرے حق میں قبول فرمائے۔

مولانا اعزاز علی صاحب سے پھر کبھی ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوسکا اتنا یاد ہے کہ رحمانیہ سے فارغ ہونے کے بعد ایک دفعہ میں دارالعلوم دیوبند کا سفر کیا اور مولانا اعزاز علی صاحب کے درس میں شرکت کی۔ وہ اس وقت طحاوی کا سبق پڑھا رہے تھے اور اس حدیث کی تشریح کر رہے تھے۔

"اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر"

مولانا فضل الرحمن صاحب غازی پوری پروفیسر کلکتہ یونیورسٹی

مولانا موصوف نے رحمانیہ کے بارے میں اپنے تاثرات حسب ذیل الفاظ میں بیان فرمائے۔

"مجھے دارالحدیث رحمانیہ دھلی کو آج چار سال کے بعد دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ میری عرصے سے یہ رائے ہے کہ مدرسہ اس وقت اپنی متعدد خصوصیات کے لحاظ سے ہندوستان میں اہلحدیث کا بہترین دینی مدرسہ ہے۔ اس کے عالیشان وسیع عمارت لائق مدرسین محنتی و پابند شرع طالب علم اور اچھے انتظام کو دیکھ کر میرے دل میں مسرت کی لہریں دوڑنے لگتی ہیں۔"

دارالحدیث رحمانیہ میں داخل ہونے سے پہلے ۲۵ میں کچھ عرصہ میرا قیام کلکتے میں رہا ہے اس وقت مولانا فضل الرحمن غازیپوری جامعہ مسجد اہلحدیث کوہلوٹولہ کے خطیب اور وہاں قائم دینی مدرسہ کے صدر مدرس تھے۔ وہاں میں نے مولانا موصوف سے ابتدائی فارسی کی چند کتابیں اور ابتدائی عربی کے چند اسباق پڑھے تھے بڑی شفقت سے طلبہ کو پڑھایا کرتے تھے۔ ان کے میں نے متعدد خطبات جمعہ بھی سنے خاص طور پر رمضان المبارک کے مہینہ میں رمضان کی خصوصیات اور روزے کے اثر و ثمرات پر بھی جامعہ اور اثرانگیز تقریر سننے کا موقع ملا تھا۔

مولانا موصوف مولانا عبداللہ غازیپوری کے خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ مولانا موصوف استاذ الاساتذہ محدث العصر عبداللہ غازیپوری کے شاگرد رشید تھے۔

مولانا ابویحیٰی امام خاں نوشہروی

مولانا موصوف کے تاثرات و مشاہدات اور معلومات مدرسہ رحمانیہ کے بارے میں درج ذیل ہے۔

دارالحدیث رحمانیہ کے بانی شیخ عطاء الرحمن روٴسائے دہلی سے ہیں۔ شیخ

عبدالرحمن صاحب کا ۱۹۲۱ء میں انتقال ہو گیا۔ اور شیخ عطاء الرحمن صاحب سایہ افگن میں یہ دارالحدیث ۱۳۲۹ھ میں قائم ہوا۔ اس کے تمام مصارف صاحب مہتمم کے ذمہ ہیں۔ ایک عمارت جدید التعمیر ہے۔ باڑہ ہندو رائے ہیں جس میں دارالتعلیم علیحدہ علیحدہ ہیں۔ طلبہ کے خورد و نوش کا ذمہ دار مدرسہ ہے۔ کھانا عمدہ ملتا ہے۔ اساتذہ کی تنخواہوں کا معیار بلند ہے۔ کہ شیخ الحدیث کو نوے روپے ماہانہ پیش ہوتے ہیں۔ ایک وقت میں بقدر ۸ کے اساتذہ اور طلبہ جس قدر آسکیں۔ مدت نصاب ۸ سال۔ نصاب درس نظامی بمعہ حدیث و تفسیر یعنی موجودہ حالت میں بلند تر ہے۔ مدرسہ کا ماہانہ رسالہ محدث ہے۔ جو بلا طلب قیمت شائقین کی خدمت میں صرف ڈاک ۴ پر جاری ہوتا ہے۔

ماخوذ از ترجمہ علمائے اہلحدیث ہند ج اول ص ۱۷۳

مولانا محمد جونا گڑھی مرحوم

مولانا موصوف کی رہائش پہلے اجمیری دروازے میں تھی لیکن میرے فارغ ہونے کے چند سال قبل انہوں نے اپنا ایک عالیشان سہ منزلہ مکان دارالحدیث رحمانیہ کے قریب بنوا لیا تھا۔ ان کے اس قرب کی وجہ سے شیخ عطاء الرحمن صاحب اور مولانا موصوف کے درمیان روابط میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ عام طور پر فجر کی نماز رحمانیہ کی مسجد میں ادا کرتے تھے۔

شیخ عطاء الرحمن صاحب نے ان سے درخواست کی تھی کہ وہ طلبہ رحمانیہ کو خطابت کا سلیقہ سکھانے کیلئے کچھ وقت دیا کریں چنانچہ وہ جمعرات کو ایک گھنٹہ

کیلئے رحمانیہ کی مسجد میں تشریف لاتے اور اسلوب خطابت سکھانے کیلئے اہم عنوانات پر تقرر فرماتے۔ مولانا محمد صاحب تحریر و تقریر دونوں کے بادشاہ تھے ان کے دو کارنامے بڑے شاہکار ہیں۔ ۱۔ تفسیر ابن کثیر کا مکمل سلیس ترجمہ ۲۔ اعلام الموقعین مولف حافظ ابن قیم کا ترجمہ، آخر الذکر کے ترجمے پر مولانا موصوف کو مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی ان کو داد دی تھی اور تحسین فرمائی تھی۔

مولانا موصوف میرے والد کے ہم سبق تھے اس بنا پر میں اکثر ان کے خطبات جمعہ سننے جایا کرتا تھا۔ وہ جامع مسجد اہلحدیث صدر بازار کے خطیب تھے۔ ان کی تقریر سننے کیلئے لوگ دور دور سے آیا کرتے تھے۔ مدرسہ رحمانیہ کے سالانہ جلسوں میں ان کی تقریروں سے جلسوں کی رونق دوبالا ہو جاتی ہے۔

دار الحدیث رحمانیہ میں قاضی القضاۃ مدینہ طیبہ کا ورود مسعود

علامہ محمود شرنل قاضی القضاۃ مع علامہ شیخ محمد زیدان مدرس مدرسہ سعودیہ مدینہ منورہ نومبر ۳۳ء کو دار الحدیث رحمانیہ میں تشریف لائے۔ طلبہ رحمانیہ نے آپ کے خیر مقدم کیلئے شاندار جلسہ منعقد کیا۔ جس میں چند طلبہ نے عربی میں خیر مقدمی قصیدے پڑھے اور برجستہ تقریریں کیں اور قاضی صاحب نے بھی فرقہ ناجیہ پر ایک بصرت افروز اور روح پرور تقریر فرمائی اور مکتبہ وغیرہ کا معائنہ کیا ان تمام اثرات سے متاثر ہو کر قاضی صاحب نے ایک تحریر رجسٹر معائنہ پر ثبت فرمائی جس کے اہم اور ضروری اقتسابات درج ذیل ہیں۔ طویل تمہید کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔

وبعد نظرنا مكتبه المدرسة منفقد ين خزائنها ناظرين فى كتبها والله الفينا بها مكتبه مفيدة حاوية كل ما يحتاجه الطالب

ہم نے مدرسہ کا کتب خانہ دیکھا ہے اس حال میں کہ ہم اس کے علمی خزائن اور کتب کی تلاش و جستجو میں تھے۔ بے شک ہم نے مکتبہ کو ان تمام کتب پر مشتمل پایا جن کی طلباء کو ضرورت ہوتی ہے۔ بعد ازاں خیر مقدمی جلسہ کا تذکرہ اس طرح فرماتے ہیں۔

(فالقی قصیده مدح جللنی العرق عندسما عها كيف لا وانا الذى الذى لا يصلح لى الوقوف موقف الضليع وذالک بعد قراءة آخر سورة اللبقرة مفتتحا بها الاحتفال ثم تقدم حدا الطلبة فالقی خطابا فيه ارتجاليا أتى على تاريخ المدرسة و منزلتها التى حارتها و فوائدها التى تدرها على طلبتها والله لست اهلالا لما تضمنه ذالک الخطاب مسما الى فيه صاحبه من العجب العجائب)

اس کے بعد ایک طالب علم نے قصیدہ مدح سنایا جسے سننے سے مارے ندامت کے پسینہ پسینہ ہو گیا۔ اور کیسے نہیں حالانکہ مجھ جیسے بے مایہ شخص کیلئے بلیغ و فصیح زور آور کی جگہ کھڑا ہونا مناسب نہیں اور یہ قصیدہ سورۃ بقرہ کی آخری آیت کی تلاوت کے بعد سنایا گیا۔ قصیدہ کے اختتام کے بعد ایک طالب علم نے تاریخ رحمانیہ اور اس کی برکات پر برجستہ عربی میں تقریر کی اور میرے بارے میں ایسے مدحیہ الفاظ استعمال کئے جس کا میں اپنے آپ کو اہل نہیں سمجھتا۔ غرضیکہ یہ تقریر اپنی نوعیت کے لحاظ سے بہت ہی تعجب خیز تھی۔